از

سید محی الدین قادری زور

ام۔ اے، پی ایچ۔ ڈی (لندن)

مطبوعہ

مطبع عہد آفریں

حیدرآباد دکن

جواہر سخن

از

سیّد محیّ الدّین قادری زور
ام۔ اے، پی ایچ۔ ڈی (لندن)

مطبوعہ
مطبع عہد آفریں
حیدرآباد دکن

از

ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زورؔ ایم اے، پی ایچ۔ ڈی (لندن)

اردو ادب میں شاعری کے ایسے انتخابات کی بہت ضرورت ہے جن میں ہر عہد کے بہترین اور نمائندہ شاعروں کے جملہ اصناف سخن کے خاص خاص نمونے مندرج ہوں۔ جو کوششیں اس وقت تک کی گئی ہیں وہ تین قسم کی ہیں:۔

پہلی قسم مدرسوں اور کالجوں کے نصابی مجموعوں پر مشتمل ہے۔ مگر ان مجموعوں میں نثر اور نظم دونوں کے نمونے جمع کئے گئے ہیں، اور ان میں گلک اردو، خیابان اردو، بزم اردو، چمنستان اردو، قند اردو، خزینۂ اردو، گنجینۂ اردو وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ پنجاب اور حیدرآباد دکن کے محکمہ جات تعلیمات کے وہ نصابی سلسلے بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں اکثر محمد حسین آزاد مرحوم اور مولوی عبدالحق صاحب کے مرتبہ ہیں۔ یہ سب کوششیں نصابی حد تک نہایت مفید ہیں۔ اور یہی ان کا واحد مقصد ہے۔

دوسری قسم کی کوششوں میں وہ مجموعے شامل ہیں جن میں صرف اردو شاعری ہی کے انتخابات مندرج ہیں۔ ان میں قدیم کوششوں مثلاً ''مجموعۂ سخن'' مرتبۂ پنڈت شیو نرائن اور ''بہار گلشن'' مرتبۂ حاجی محمد داؤد خاں کانپوری وغیرہ کے علاوہ مولوی الیاس برنی صاحب کے منتخبات نظم اردو کے مختلف سلسلے (مثلاً معارف ملت،

جذبات فطرت' اور مناظر قدرت وغیرہ) اور راس مسعود کا "انتخاب زرین" سب سے زیادہ اہم ہیں۔ مگر ان منتخبات میں بھی تاریخ وار ترتیب اور ہر عہد کے بہترین اور نمائندہ کلام کے شمول کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔

تیسری اور آخری قسم کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ اسی میں "اردوئے قدیم" اور "اردو شہ پارے" شامل ہیں مگر ان کے موضوع بھی نہایت محدود ہیں کیونکہ یہ اردو شاعری کے صرف قدیم ادوار پر مشتمل ہیں۔ اسوقت تک کوئی ایسی کوشش نہیں کی گئی تھی کہ اردو شاعری کی پوری کائنات کو نظر میں رکھ کر اس کا ایک مبسوط انتخاب شائع کیا جائے۔ ہندوستانی اکیڈیمی مستحق مبارکباد ہے کہ اس نے اس اہم ضرورت کو محسوس کر کے اسکا خاطر خواہ انتظام کیا

— ۳ —

ہندوستانی اکیڈیمی نے اپنے مجموعۂ منتخبات کا نام "جواہر سخن" رکھا ہے۔ اور آپکی پہلی جلد (جو چند سال کی مسلسل کوششوں کے بعد ابھی ابھی شائع ہوئی ہے) کے "تعارف" میں اکیڈیمی کے معتمد ڈاکٹر تاراچند صاحب نے اسکے موضوع کے نسبت لکھا ہے کہ :-

"ضرورت یہ تھی کہ ایک ایسا جامع انتخاب مرتب ہو جس میں نہ صرف غزلوں کا انتخاب ہو بلکہ وہ ہر صنف سخن پر حاوی ہو، اسمیں تاریخی اصول بھی مد نظر رہے تاکہ شعرا اور اسکے زمانے کا تعلق عیاں ہو جائے اور زبان کی تدریجی ترقی کی منزلیں نگاہ کے سامنے آجائیں۔ اس انتخاب میں اس امر کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ نہ تو اتنا مختصر ہو کہ شاعری کی خصوصیات اور اسکے شاہکاروں کی پوری طرح نمائندگی نہ ہو سکے، نہ اتنا بسیط ہو کہ اسمیں کل رطب و یابس شامل ہو جائیں چنانچہ یہ انتخاب انہیں اصولوں کے تحت میں تیار ہوا ہے۔ اسکے علاوہ اسمیں شعراء کے انتخاب کے معاملہ میں بھی احتیاط برتی گئی ہے۔ جہاں تک ممکن ہوا ہے ہر ایسا شاعر جسے صاحب طرز کہہ سکتے ہیں اسمیں شامل کیا گیا ہے۔" (جواہر سخن۔ جلد اول۔ صفحہ ا۔ ب۔)

انتخابات کا کام اکیڈیمی کے اردو اسکالر مولوی محمد مبین صاحب کیفی چریا کوٹی کے سپرد کیا گیا جنہوں نے اپنے کام کو چھ حصوں (یا جلدوں) میں تقسیم کیا۔ اکیڈیمی نے ان چھ جلدوں پر نظر ثانی کرنے کیلئے چھ ارکان کی ایک کمیٹی مقرر کی تاکہ ایک "ایسا ہر دلعزیز مجموعہ مرتب ہو جس سے مختلف الطبائع ناظرین لطف اندوز ہو سکیں"[1] اور

---

[1] جواہر سخن صفحہ ج

اشعار کا انتخاب ذاتی رجحانات کے زیر اثر نہ ہونے پائے۔

پہلی جلد کی نظر ثانی مولوی محمد سلیمان صاحب ندوی نے کی ہے اور چونکہ اسمیں دکنی شعراء کے کلام کے نمونے بھی مندرج ہیں اور قدامت کی وجہ سے ان کی زبان کے بہت سے الفاظ آج سمجھ میں نہیں آتے اسلئے انکی صحت کا اہتمام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب پروفیسر عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی کے ذمہ کیا گیا۔ غرض "تعارف" اور "تمہید" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جواہر سخن کی زیر نظر پہلی جلد کی تیاری و تکمیل کیلئے خاص اہتمام کئے گئے مگر افسوس ہے کہ اس احتیاط اور اجتماعی کوشش کے باوجود اسمیں بعض ایسے نقائص رہگئے ہیں جن کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ غلط فہمیوں کی اشاعت ہوگی۔ اسلئے چند ضروری اور اہم امور کی طرف فی الحال توجہ دلائی جاتی ہے۔

(۳)

جواہر سخن جلد اول کی ترتیب یہ ہے۔ ڈاکٹر تاراچند معتمد اکیڈیمی کا "تعارف" چار صفحات۔ مرتب کتاب کی "تمہید" چھ صفحات۔ اسکے بعد "دور اول کی خصوصیات" بیان کی گئی ہیں جن میں شعرائے دکن کیلئے تیرہ صفحے اور شعرائے دہلی کیلئے سات صفحے قلمبند کئے گئے ہیں۔ اسکے بعد صفحہ ۲۱ سے ۱۸۳ تک یعنے ۱۶۲ صفحات میں قریب سینتالیس دکنی شعراء کے انتخابات پیش کئے گئے ہیں۔ اور صفحہ ۱۸۵ سے ختم کتاب یعنے صفحہ ۴۱۵ تک دوسو تیس صفحات میں دہلی کے قریب اڑتیس شاعروں کے انتخاب ہیں۔ انتخاب کلام سے قبل ہر شاعر کے مختصر سے حالات بھی درج ہیں۔ آخر میں ڈھائی صفحوں کی فہرست "تصحیح اغلاط" ہے۔ مگر پوری کتاب میں کہیں اس امر کا ذکر نہیں کہ اردو شاعری کے کتنے دور قائم کئے گئے ہیں اور کن اصولوں کے لحاظ سے۔ البتہ اس پہلی جلد کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ "جواہر سخن" میں اردو شاعری کے ادوار کی ترتیب ان متعدد نظر ثانیوں کے باوجود بھی قابل نظر ثانی ہے۔

کتاب کے سرورق لکھا ہے: — "پہلی جلد۔ پہلا دور۔ پہلا اور دوسرا حصہ۔" اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مرتب کا قائم کیا ہوا پہلا دور اسی پہلی جلد میں ختم ہوگیا یا ابھی اسکے کوئی حصے باقی ہیں۔ بہتر ہوتا کہ اس جلد کی ابتدا یا اختتام پر مرتب اپنی ترتیب سے بھی آگاہ کردیتے۔ حیرت ہوتی ہے کہ "تعارف" میں چھ جلدوں کی نظر ثانی کرنیوالے چھ اراکین۔ یعنے مولوی سید سلیمان صاحب ندوی۔ مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی۔ نواب

جعفر علیخاں صاحب اثرؔ۔ ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی۔ مولوی نعیم الرحمٰن صاحب۔ اور مرزا محمد عسکری صاحب) کا ذکر تو کیا گیا ہے لیکن انکی مفوضہ جلدوں کی نوعیت یا موضوع کی نسبت کچھ نہیں لکھا گیا۔

بحالت موجودہ ہمیں یہ فرض کر لینا پڑتا ہے کہ پہلا دور اسی جلد میں ختم ہو گیا ہے۔ اور ہونا چاہیئے۔ مگر حیرت اس امر پر ہے کہ آغاز زبان اردو سے رنگینؔ (۱۲۵۱ھ) اور خاموشؔ (۱۲۸۶ھ) تک کے زمانہ کو جو قریب تین سو سال پر حاوی ہے ایک دور قرار دینے کی کیسے جرأت ہو سکتی ہے! اسمیں کوئی شک نہیں کہ شعر و سخن کے دوروں کا انحصار ماہ و سال کی کمی بیشی ہی پر نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن جب یہ روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ سنہ ۱۱۰۰ھ سے پہلے سیکڑوں اردو شاعر اور انشا پرداز گذر چکے ہیں اور سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے اکثر اب بھی مختلف پبلک اور خانگی کتب خانوں میں موجود ہیں، جنکی نسبت اسوقت تک بیسیوں مضامین، رسائل اور ضخیم سے ضخیم کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اور جن پر آج اردو کے متعدد بڑے بڑے انشا پرداز اور محقق کام کر رہے ہیں، تو پھر اس دور کو بعد کے دوسرے دوروں میں ضم کر دینا کتنی ستم ظریفی ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں جتنی اعلیٰ درجہ کی اور جتنی وافر شعری پیداوار سنہ ۱۱۰۰ھ سے پہلے پیش کیگئی ہے بعد کے کسی ایک بلکہ دو دو دوروں میں بھی نہیں پیش کیگئی۔ اور خود سنہ ۱۱۰۰ھ سے پیشتر کا زمانہ بھی اپنی متفرق لسانی خصوصیات، مدارج ارتقا، اور شعر و سخن کے گوناگوں رجحانات کے لحاظ سے دو مختلف حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

—— (۴) ——

پہلا حصہ آغاز اردو سے سنہ ۱۰۶۰ء تک۔ اور اس حصہ میں نظامی بہمنی، بہاء الدین باجن، شاہ علی گام دھنی، خوب محمد، برہان الدین جانم، سید محمود، ملا وجہی، احمد، محمد قلی، سلطان محمد، مقیمی، عبدل، ابراہیم، صنعتی، کمال خاں رستمی، ملک خوشنود، حسن شوقی، ملا غواصی، قطبی، اور ابن نشاطی کے کلام سے انتخابات حاصل کئے جا سکتے تھے کیونکہ ان سب کے وافر نمونے مختلف مطبوعہ کتابوں اور رسالوں مثلاً محبوب الزمن، اردوئے قدیم، دکن میں اردو، اردو شہ پارے، یورپ میں دکنی مخطوطات، رسالہ اردو، مجلہ عثمانیہ، مجلہ مکتبہ، معارف، اور

ہندوستانی وغیرہ کے مختلف نمبروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ نو وہ شاعر تھے جن میں سے ہر ایک کی ایک ایک دو دو تصنیفات موجود ہیں، انکے علاوہ اس عہد کے اور شاعروں مثلاً محمد تقی نظیری، ملا خیالی، آتشی، اور جنیدی وغیرہ کی نسبت معلومات حاصل ہیں اگرچہ کلام ابھی نہیں ملا۔

دوسرا حصہ ۱۰۲۰ھ سے ۱۱۰۰ھ تک اور اس حصہ میں سلطان عبداللہ، علی عادل شاہ شاہی، نصرتی، ملک، امین الدین اعلیٰ، طبعی، مرزا، امین، مومن، فائز، نوری، لطیف، شاہ قلی خاں شاہی، غلام علی، ہاشمی، عاجز اور ضعیفی کے کلام سے انتخابات شامل کیے جاتے۔ یہ بھی متذکرہ بالا ذریعوں سے دستیاب ہو سکتے تھے۔ اس عہد میں ان شاعروں کے علاوہ اور بھی شاعر اور نثر نگار گذرے ہیں مثلاً میراں یعقوب، ایاغی، ابوالحسن تاناشاہ، سکندر عادل شاہ اور سیوا وغیرہ۔

متذکرہ بالا دونوں حصے شاعروں کی کثرت اور مختلف اصناف سخن کے نمونوں کی گوناگونی اور فراوانی کی وجہ سے اس قابل تھے کہ ان دو کو ملا کر پہلا دور قرار دیا جاتا اور ایک مستقل جلد ان کیلئے وقف کیجاتی۔ اور دوسری جلد میں دوسرا دور ہوتا اور اسکے بھی دو حصے ہوتے۔ پہلا ۱۱۰۰ھ سے ولی تک جس میں شاہ حسین ذوقی، جعفر علی زٹلی، قاضی محمود بحری، سید محمد عشرتی، مجرمی، ولی ویلوری، غلام احمد علی، اشرف، آزاد، فراقی، ولی اورنگ آبادی، ہاشم علی، یحییٰ، خضر اولیا، محمود صبائی، آگاہ، وجدی، خاکی، داؤد، عزلت، سراج، صارم، شیدا، واقف، عزیز، عاشق، مہدی، مہر، ضیا، فضلی، منور الدولہ اور شفیق وغیرہ کا کلام پیش کیا جا سکتا تھا۔ اسکے نمونے بھی موجود ہیں اور متذکرہ ذریعوں سے وصول ہو سکتے تھے۔ دوسرے دور کا دوسرا حصہ ولی سے رنگین و بقا وغیرہ تک[1]۔

یہ ہے قدیم اردو شاعری کی ایک صحیح اور مناسب ترتیب۔ اور افسوس ہے مرتب نے تناسب کا خیال نہیں رکھا جس سے اس امر کا شبہ ہونے لگتا ہے کہ ان کی نظر اردو ادب کی مکمل تاریخ اور شعر و شاعری کے جملہ رجحانات پر

---

[1] یہ حصہ گاہ اسوقت جواہر سخن کی پہلی جلد میں موجود ہے۔ مگر دوسرے دور میں شامل رہنے کی جگہ پہلے ہی میں مندرج ہے۔

حاوی نہیں ہے۔ اس کا ثبوت اور دوسرے واقعات سے بھی ملتا ہے۔ مثلاً :—

سعادت یار خاں رنگین اور اُن کے بعد کے (مندرجہ جواہر سخن) تیرہ چودہ شاعروں کو اسی دور اول میں شامل کرلیا ہے حالانکہ انکا ذکر میر حسن، مصحفی، اور انشا کے بعد یا ساتھ ہونا چاہیئے۔ کیا یہ امر تعجب خیز نہیں ہے کہ میر اور سودا کا ذکر تو ابھی نہیں آیا لیکن ان کے معاصرین اور تلامذہ کو اُن سے پہلے کے دور میں شامل کرلیا ہے۔

اسی طرح دکنی شعراء کے بیان میں محمد قلی کے بعد صفحہ ۱۲ سے نصرتی کا ذکر شروع کیا ہے۔ اور پھر اسی کے سلسلہ میں صفحہ ۱۳ پر وجہی اور اسکے بعد غواصی وغیرہ کی نظموں پر سرسری تبصرہ کیا ہے۔ حالانکہ تاریخی لحاظ سے وجہی کا ذکر تو محمد قلی سے بھی پہلے ہونا چاہیئے کیونکہ اسکی تصانیف محمد قلی کے والد ابراہیم قطب شاہ ہی کے عہد سے شروع ہوگئی تھیں۔

ملا وجہی کی قطب مشتری ۱۰۱۸ھ کی تصنیف ہے۔ غواصی کی سیف الملوک و بدیع الجمال ۱۰۳۵ھ کی۔ اسکے مقابلہ میں نصرتی کی تصانیف گلشن عشق اور علی نامہ ۱۰۶۷ھ اور ۱۰۷۲ھ میں لکھی گئی ہیں۔ ایسی حالت میں نصرتی کا پہلے اور وجہی و غواصی کا بعد میں ذکر کرنا تعجب انگیز ہے۔

اسی سلسلہ میں مرتب کا یہ جملہ بھی عجیب و غریب ہے۔ وہ صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں :— "محمد شاہ کے عہد سے اس (یعنے اردو) کی مستقل تاریخ شروع ہوتی ہے۔" حالانکہ عہد محمد شاہ سے قبل سیکڑوں اردو شاعر پیدا ہوچکے تھے جن میں سے اکثروں کے نام ابھی بیان کئے گئے ہیں اور جن میں سے قریب پچاس شاعروں کے کلام کے نمونے خود مرتب ہی نے اس کتاب میں پیش کئے اور انکے لئے قریب اکیوانّی صفحات وقف کئے ہیں۔ یہ کہنا کہ محمد شاہ سے پہلے جو اُردو تھی وہ جدید اردو سے مختلف تھی یا ٹکسالی نہیں تھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کہنے والے کو السنہ کی تاریخ اور انکے تدریجی ارتقاء سے واقفیت نہیں ہے۔ کبھی کوئی زبان ایک حالت میں نہیں رہتی۔ وہ ایک زندہ چیز ہے۔ اور اسمیں بھی دیگر جانداروں کی طرح زمان و مکان کے اثرات کے تحت میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ کیا انگریزی زبان کے وہ شعراء جنہوں نے شکسپیئر اور ملٹن سے پہلے اس زبان کی خدمت کی اور کارنامے پیش کئے انگریزی شاعر نہیں کہلائیں گے اور انگریزی ادب کی تاریخ میں ان کا مستقل تذکرہ نہیں کیا جائے گا؟ یہ اور بات ہے کہ

ان کا کلام زبان کی قدامت اور محاورہ کی تبدیلی کے باعث عہد حاضر کے کسی انگریز کیلئے دلچسپ نہ ثابت ہو۔
یہی حال اُردو زبان اور شعر و شاعری کا ہے۔ عہد محمد شاہ سے پہلے جن شاعروں نے اسکی خدمت کی
اور اسمیں اعلیٰ سے اعلیٰ کارنامے پیش کئے انہوں نے اپنے زمانہ کی ٹکسالی اور فصیح ترین اردو اپنی تصنیفات
میں پیش کی۔ اس عہد میں انھیں کی زبان ٹکسالی اور فصیح تھی لیکن مرور ایام کے ساتھ وہ زبان تبدیلی
حاصل کرتی رہی یہانتک کہ محمد شاہ کے آخر عہد میں مرزا مظہر جانجاناں کی کوشش و اثر سے اس پر فارسی
اثر غالب آنے لگا۔[1] یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ خود عہد محمد شاہ کی اُردو اب اپنی اصلی حالت میں کہاں
باقی ہے۔ کیا اقبال و اصغر اپنی شاعری کیلئے وہی زبان اور محاورہ استعمال کرتے ہیں جو آبرو اور حاتم محمد شاہی
نے استعمال کیا تھا؟

اس قسم کے بیانات کی وجہ سے اُردو ادب کی تاریخ صحیح طور پر بے نقاب ہونیکی جگہ اس میں قسم قسم کی
غلط فہمیوں اور نقائص کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور خاصکر عہد حاضر میں جبکہ اردو اور ہندی کی کشمکش
شدت حاصل کرتی جارہی ہے، اور ادھر آئے دن قدیم اُردو کے متعدد کارنامے منظر عام پر آتے جارہے ہیں،
ان دقیانوسی خیالات کا اظہار خاصکر جواہر سخن جیسی اعلیٰ مقصد رکھنے والی کتابوں میں زیب نہیں دیتا۔

اسی طرح کا ایک اور بیان اس کتاب کے صفحہ ۱۴ پر نظر سے گذرتا ہے۔ یعنے: ”سعد اللہ گلشن وہ
بزرگ ہیں جنکے فیض صحبت نے ولیؔ کو اُردو کا شاعر بنایا۔“ گویا ولیؔ پہلے کسی اور زبان کے شاعر تھے! کیا مرتب
جواہر سخن کہہ سکتے ہیں کہ ولیؔ نے کبھی فارسی یا عربی یا کسی اور زبان میں شاعری کی تھی۔ ایک دکنی شاعر جسکے
اسلاف صدیوں سے اُردو میں شعر و شاعری کرتے آئے ہوں، جسکی نظر سے سیکڑوں ہی اُردو کارنامے گذرے
ہوں، اور جو اپنی اُردو شاعری کی داد حاصل کرنے کیلئے دہلی جاتا ہو،[2] اسکی نسبت بعض قدیم تذکرہ
نویسوں کے ایک غلط بیان کو دہرانا بھی ایک جرأت رندانہ سے کم نہیں!!

---

[1] اور [2] اس موضوع پر تفصیلی مضمون بعنوان ”دہلی میں اردو شاعری کا آغاز“ رسالہ ہندوستانی کی جلد ۲ نمبر ۳ میں شائع ہو چکا ہے۔

۵

ترتیب کتاب اور اردو ادب کی تاریخ کی نسبت مرتب جواہر سخن کے نقطۂ نظر پر بحث کرنے کے بعد ہمیں ان غلط فہمیوں کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے جو قطب شاہی حکمران شاعروں کے متعلق اس کتاب میں کئی جگہ نظر آتی ہیں صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے :۔

"اس سلسلہ کے صاحبان طرز میں قطب شاہ دکن کا سب سے پہلا یا دوسرا شاعر سمجھا جاتا ہے ۔"

معلوم نہیں ہوسکتا کہ قطب شاہی خاندان کے کس حکمران کا تذکرہ کیا جا رہا ہے ۔ کیونکہ اس سلسلہ کے تمام بادشاہ قطب شاہ کہلاتے تھے ۔ اگر انہوں نے قطب شاہ تخلص کے طور پر استعمال کیا تو یہ سلطان محمد قطب شاہ (عہد حکومت ۱۰۲۰ ۔ ۱۰۳۵ھ) سے متعلق ہوسکتا ہے جو اس خاندان کا پانچواں بادشاہ تھا اور جس کا تخلص اردو میں قطب شاہ ہے جیسا کہ خود اس کتاب میں بھی صفحہ ۳۹ پر بیان کیا گیا ہے ۔ مگر یہ بیان صحیح نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ اسکا پیش رو محمد قلی قطب شاہ (عہد حکومت ۹۸۸ ۔ ۱۰۲۰ھ) زبان اردو کا اس سے زیادہ بلند مرتبہ شاعر تھا جس کا تخلص معانی تھا ۔ اور مرتب غالباً اسی کا ذکر کر رہے ہیں کیونکہ اسکے بعد ہی رسالہ اردو کے مضمون کا حوالہ ہے جو محمد قلی معانی ہی سے متعلق تھا نہ کہ سلطان محمد قطب شاہ سے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں بادشاہ شاعروں کے حالات و کلام کو ایک دوسرے میں خلط ملط کر دیا ہے کیونکہ محمد قلی کے کلام کے نمونوں کے سلسلہ میں سلطان محمد کا بھی کچھ کلام درج ہے ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۲ جس میں ایک غزل مندرج ہے جس کا مقطع صاف طور پر اپنے مصنف کی چغلی کھا رہا ہے ۔ یعنے :۔

ہے محمد قطب شاہ بارہ اماماں کا غلام　　　میں سو عاجز داس تیرا یا علی مج دستگیر

اس امر کا ثبوت صفحہ ۱۲ کے حسب ذیل فٹ نوٹ سے بھی ملتا ہے :۔

"وجہی بقول مصنف اردو شہ پارے ابراہیم قطب شاہ یعنے محمد قطب شاہ کے باپ کا درباری شاعر تھا ۔"

اردو شہ پارے میں کہیں سلطان ابراہیم کے بیٹے کا نام محمد قطب شاہ نہیں لکھا ہے ۔ ابراہیم کا بیٹا محمد قلی تھا ۔ اور یہ اصل میں محمد قلی اور سلطان محمد میں امتیاز نہ کرسکنے کی وجہ ہے کہ مرتب جواہر سخن نے ایک کی جگہ دوسرے کا نام یا کلام

درج کردیا۔ اور لطف یہ ہے کہ بطور سند کے اُردو شہ پارے کا حوالہ بھی دیدیا! حقیقت حال یہ ہے کہ سلطان ابراہیم کے دو بیٹے تھے۔ ایک محمد قلی۔ دوسرا محمد امین۔ باپ کی وفات (۹۸۸ھ) پر محمد قلی جانشین ہوا۔ چونکہ اسکو اولاد نرینہ نہیں تھی اسلئے محمد قلی کے بعد ۱۰۲۰ھ میں اسکے بھائی محمد امین کا لڑکا سلطان محمد (جو محمد قلی کا داماد بھی ہوگیا تھا) تخت نشین ہوا اور محمد قطب شاہ کے لقب سے شہرت پائی۔ چچا اور بھتیجے دونوں کے ناموں میں چونکہ محمد اور قطب شاہ مشترک ہیں اسلئے غلط فہمی پیدا ہونیکا امکان ہے۔ مگر تاریخی اہمیت رکھنے والی کتابوں میں ایسے امور کی صحت کا خیال رکھنا لازمی ہے۔

قطب شاہی ناموں کے سلسلہ ہی میں مرتب ایک اور غلط فہمی میں مبتلا معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے ان بادشاہوں کے نام اس طرح بیان کئے ہیں ۱۔ محمد قلی قطب (صفحہ ۲۶) ۲۔ محمد قطب (صفحہ ۳۹) ۳۔ عبداللہ قطب (صفحہ ۴۳) حالانکہ انکے اصل نام محمد قلی، محمد اور عبداللہ مرزا تھے۔ تخت نشینی سے پیشتر شہزادوں کے نام سے پہلے تعظیماً سلطان بعض وقت شامل کیا جاتا تھا مثلاً سلطان محمد اور سلطان عبداللہ وغیرہ۔ اور تخت نشینی کے بعد اصل نام کے ساتھ لقب قطب شاہ کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ غرض قطب شاہ ایک خاندانی شاہی لقب تھا (جو تخت نشین ہونے کے بعد ہی اس خاندان کے افراد کے ناموں کے ساتھ شامل کیا جاتا تھا) نہ کہ اصلی ناموں کا کوئی لازمی جزو۔

—— ۹ ——

اب ہم جواہر سخن کی ان خصوصیات کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں جو عام ادبی معلومات کی کمی اور ناقص تحقیق کا نتیجہ ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مرتب جواہر سخن کی نظر سے وہ کتابیں اور مضامین نہیں گذرتے جو قدیم جدید اردو ادب کے متعلق آئے دن شائع ہو رہے ہیں، اور جن میں ان قدیم تذکروں کی غلطیاں ثابت ہوتی جا رہی ہیں جنھیں وہ بطور سند کے پیش کر رہے ہیں۔

قطب شاہی حکمران شاعروں کی طرح جواہر سخن میں دوا ور شاعروں کے حالات اور کلام کو بھی خلط ملط کر دیا گیا ہے چنانچہ صفحہ ۶۵ پر عاجز کا ذکر کیا ہے اور ان کی تصنیفات کی فہرست میں لکھا "قصہ ملکہ مصر، قصہ لال گوہر، مجموعہ اشعار اُردو (دیوان) ان کی تصانیف ہیں"۔ مگر یہ سب ایک ہی عاجز کی تصنیفات نہیں ہیں۔ اصل میں

تخلص کے دو شاعر گذرے ہیں۔ پہلا زوال سلطنت دکن کے وقت موجود تھا۔ اور اس کا نام سید محمد تقی ہے جس نے قصہ فیروز شاہ و ملکۂ مصر کا ۱۰۹۹ھ میں اُردو میں ترجمہ کیا۔ اور دوسرا شاعر اس سے ایک سو سال بعد گذرا ہے جس کا نام عارف الدین خاں تھا اور جس کا اُردو دیوان بہت مشہور ہے۔ ان دونوں کا جدا جدا ذکر اُن سب کتابوں میں موجود ہے جو اس وقت تک دکنی ادب پر لکھی گئی ہیں۔ اسکے باوجود غلط فہمی کے باقی رہنے کے اسباب معلوم کیا تھے۔

میر عبدالحی تاباں کی نسبت لکھا ہے:—

"مرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ شفیق نے حاتم کا اور میر نے حشمت کا شاگرد لکھا ہے" (ص ۳۰۰)

اس موضوع پر خود رسالۂ ہندوستانی ہی کی جلد ۲ حصہ ۱ میں شاہ حاتم کے سلسلہ میں تفصیل سے بحث موجود ہے اور تین چار صفحوں میں دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ دراصل حاتم کے شاگرد تھے۔ اسکے بعد بھی پرانے تذکروں ہی کے بیانات کو جوں کا توں پیش کر دینا اور ساتھ ہی بغیر سند کے یہ بھی لکھ دینا کہ وہ مرزا صاحب کے شاگرد تھے بہت حیرت ناک ہے۔

اس طرح مرزا علی لطف کے ذکر میں صفحہ ۳۴۴ میں ارشاد ہے کہ "تذکرہ گلشن ہند نہایت تحقیق سے لکھا ہے" اور بطور سند کے "گل رعنا" کا نام ذیل میں لکھ دیا ہے۔ اگر مصنف گل رعنا نے اس طرح لکھا تو وہ معذور تھے۔ ان کے زمانہ میں ممکن ہے یہی خیال صحیح سمجھا جاتا ہو۔ اگرچہ انہوں نے بھی مطبوعہ تذکرہ گلشن ہند کے ٹائٹل پر یہ وضاحت پڑھی ہوگی کہ یہ تذکرہ گلزار ابراہیم سے ماخوذ ہے۔ مگر حیرت تو مرتب جواہر سخن پر ہوتی ہے کہ رسالہ اُردو جلد ۸ حصہ ۳۲ بابت اکتوبر ۱۹۳۲ء میں یعنی اس کتاب جواہر سخن کی ترتیب و اشاعت سے پانچ سال پیشتر ایک تفصیلی مضمون گلزار ابراہیم پر شائع ہو چکا ہے جس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ گلشن ہند گلزار ابراہیم کا ناکمل ترجمہ ہے اور علی لطف نے بہت سے بیانات مسخ کر دئے ہیں جنکی وجہ سے تاریخ ادب اُردو میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ اور پھر بھی جواہر سخن میں بغیر کسی جھجک کے تحریر کیا گیا ہے کہ تذکرہ نہایت تحقیق سے لکھا ہے۔ یعنے وہ ترجمہ بھی نہیں بلکہ تحقیقی تصنیف ہے!

سعادت یار خاں رنگین کے ذکر میں لکھا ہے:—

تصانیف میں چار دیوان کا مجموعہ ہے۔ دواوین کے نام ریختہ، بیختہ، آمیختہ، انگیختہ ہیں ان کے سوا

اور بھی کتابیں ہیں۔ ایجاد رنگین۔ فرس نامہ مجالس رنگین۔ مثنوی دل پذیر۔ اپنی اپنی جگہ پر مقبول اور قابل قدر ہیں۔ ایجاد رنگین میں چھوٹی چھوٹی حکایتوں کے ذریعہ سے اخلاق کی تعلیم دی ہے"۔ صفحہ ۴۴۳۔

رنگین پر ایک مضمون مجلہ عثمانیہ بابت فروری ۱۹۲۶ء میں شائع ہو چکا ہے جس میں ان کی تصانیف کی نسبت مرتب جواہر سخن کے بیان سے زیادہ لکھا جا چکا ہے مگر افسوس ہے کہ مرتب نے اسکوپڑھنے کی زحمت گوارا کی اور نہ انڈیا آفس لندن کے کٹلاگ کو، جہاں رنگین کا پورا کلام موجود ہے۔

اصل میں رنگین نے اپنے پورے کلام کو چار مجموعوں میں تقسیم کیا تھا جسکی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ نورتن رنگین۔ جس میں حسب ذیل نو حصے ہیں اور جو ۱۸۲۱ء م ۱۲۳۶ھ میں تکمیل کو پہنچا۔

۱۔ دیوان ریختہ ۱۸۰۱ء میں لکھا گیا۔ ابتدائی شاعری مندرج ہے۔

۲۔ دیوان بیختہ۔ جس میں ہر طرح کی نظمیں ہیں۔ ۳۔ دیوان آمیختہ جس میں فحش کلام ہے۔

۴۔ دیوان انگیختہ۔ جو در اصل دیوان ریختی ہے اور جس کے بعض شعر نہایت گندہ ہیں۔

۵۔ مجموعہ رنگین جو سولہ زبانوں کے کلام کا مجموعہ ہے۔ ۶ مجالس رنگین جس میں انکی زندگی اور ماحول کے متعلق مفید مواد درج ہے۔ ۷۔ گلدستہ رنگین۔ یہ ایک ڈھائی ہزار شعر کی مثنوی ہے جو اہلی شیرازی کے اسلوب میں اخلاقی موضوع پر لکھی گئی ہے۔ ۸۔ اخبار رنگین۔ اردو نثر میں روزمرہ کی زندگی کے قصے قلمبند کیئے گئے ہیں۔ ۹۔ حدیقہ رنگین۔ جو در اصل فارسی دیوان ہے۔

۲۔ شش جہت رنگین۔ جس میں متفرق موضوعوں پر چھ رسالے شامل ہیں اور جس کے اشعار کی تعداد قریب چھ ہزار ہے۔

ان رسالوں کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ دلپذیر رنگین۔ ۲۔ عجائب و غرائب۔ ۳ مثلث رنگین۔
۴۔ مربع رنگین۔ ۵ مخمس رنگین۔ ۶۔ مسدس رنگین۔

۳۔ پنجہ رنگین۔ پانچ ہزار شعر کا مجموعہ ہے جو ان پانچ جدا جدا رسالوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

۱۔ ایجاد رنگین۔ ۲۔ نیرنگ رنگین۔ ۳۔ فرسنامہ رنگین۔ ۴۔ نظم رنگین۔ ۵۔ داستان رنگین۔

۴۔ خمسہ رنگین۔ اس میں حسب ذیل رسالے جمع کیئے ہیں۔ ۱۔ تصنیف رنگین۔ ۲۔ حکایت رنگین۔ ۳۔ نصاب ترکی

۴۔ جنگ نامۂ رنگین۔ ۵۔ حکایات رنگین۔

رنگین کی نسبت ان معلومات کا مقابلہ جواہر سخن کی بے ڈھنگی فہرست سے کیا جائے تو اسکی نسبت کیا خیال قائم ہو سکے گا۔ اسی طرح سے محمد باقر آگاہ کی تصنیفات کو بھی خلط ملط کر دیا ہے۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے جواہر سخن میں صرف دو چار کا ذکر کیا ہے (دیکھو صفحہ ۸۵) اور وہ بھی تصنیفات رنگین کی طرح غلط یعنے ایک ہی کتاب کو دو جدا جدا کتابیں قرار دیکر پہلے کتاب کا نام لکھا ہے اور اسکے بعد اسکے ایک حصہ کا۔ اس موضوع پر بھی دکنی ادب سے متعلق کتابوں کے علاوہ رسالہ اردو جلد ۹ حصہ ۳۴ بابت اپریل ۱۹۲۹ئہ میں تفصیلی مواد موجود ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور امر کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے اور وہ دکنی شعراء کے تلمذ سے متعلق ہے۔ جواہر سخن میں قریب قریب ہر ابتدائی دکنی شاعر کے ذکر میں لکھا ہے کہ تلمذ کا پتہ نہیں چلتا (دیکھو صفحات ۲۶۔ ۳۹۔ ۳۴ اور ۴۴ وغیرہ) اور بعد کے شاعروں کے ذکر میں غالباً اپنی تحقیق میں ناکام رہ کر اس کا تذکرہ ہی موقوف کر دیا۔ لیکن یہ بات مرتب کے ذہن میں نہیں آئی کہ اُس زمانہ میں تلمذ کو زیادہ اہمیت نہیں دیجاتی تھی اصلی شاعر بغیر استاد کی مدد کے بھی اعلیٰ درجہ کی شاعری کر سکتے ہیں۔ کیا فردوسی وسعدی، نظامی و انوری وغیرہ نے بھی بغیر استاد کے شعر و شاعری میں شہرت نہیں حاصل کی؟ اور کیا دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی یہی ذہنی پستی (جو اصل میں قومی تنزل اور ادبی انحطاط کی دلیل ہے) رونما ہے؟ کیا شکسپیئر، ملٹن، ٹنی سن ورڈسورتھ وغیرہ بھی کسی سلسلہ اساتذہ میں منسلک تھے؟ پھر کیا ضرور ہے کہ اردو کا ہر شاعر اپنے استاد کا نام بتائے' اور اس کا کوئی ذکر بغیر تلمذ کے اظہار کے نامکمل رہجائے؟

۔۔۔۔۔ ۷ ۔۔۔۔۔

اب ہم کتاب کے اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ انتخابات کا مسئلہ نہایت نازک ہے' اور مرزا غالب نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ ع شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے۔ افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ ارباب اکیڈیمی کے شدید احتیاط اور نگرانی اور پابندی اصول (جیسا کہ تعارف کی اُس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے جو اس مضمون کے ابتدائی حصہ میں نقل کیگئی ہے) کے باوجود پہلے تو خود شاعروں کے انتخاب میں ناانصافی کیگئی اور

پھر اِن کے کلام کے منتخبات جمع کرنے میں صحیح ذوق ادب اور وسعت مطالعہ سے کام نہیں لیا گیا۔

دکن کے ان ستر (۷۰) قدیم اردو شاعروں میں سے جن کے کلام کے نمونے چھپ چکے ہیں، اور جن کے نام ہم نے اسی مضمون میں اُردو شاعری کے ادوار کے سلسلہ میں درج کر دیے ہیں، صرف ۲۸ شاعروں کے کلام سے انتخابات پیش کئے گئے ہیں اور یہ کوئی قابل توجہ بات نہ ہوتی (۱) اگر ابتدائی شاعروں کے کلام کے نمونے بھی مندرج ہوتے۔ اور (۲) بیجاپور کے شاعروں کے ساتھ ظلم نہ کیا جاتا۔

بیجاپور کے اٹھارہ شاعروں میں سے صرف دو یعنے نصرتی اور ہاشمی کے منتخبات شامل کئے گئے ہیں۔ حالانکہ کم از کم چار اور شاعر یعنے صنعتی، رستمی، خوشنود اور علی عادل شاہ فروگذاشت کے ہرگز مستحق نہیں تھے۔ خاصکر رستمی تو اُردو کا فردوسی ہے۔ اسکے خاورنامہ جیسی طویل اور اعلیٰ درجہ کی رزمیہ مثنوی اُردو زبان میں آجتک نہیں لکھی گئی۔ اسی طرح خوشنود اور صنعتی کی بزمیہ مثنویاں اپنی شعری حلاوت اور فسانوی لطافت کے لحاظ سے گولکنڈہ اور بیجاپور دونوں مقامات کے شاعروں میں وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اُردو شہ پارے ہی میں انکے کلام کے منتخبات بھی مندرج ہیں اور جہاں مرتب جواہر سخن نے اسی کتاب سے گولکنڈہ کے شاعروں کے کلام کے نمونے نقل کئے بیجاپوری شاعری کے نمونے بھی آسانی سے حاصل کر سکتے تھے۔ بہتر ہوتا کہ آخری دس بارہ دکنی شاعروں کے کلام کی بجائے انہی کا کلام جگہ پاتا۔ علی عادل شاہ اُس عہد کا بہترین غزل گو اور استاد شاعر تھا اسکے کلام کا نمونہ رسالۂ معارف جلد شمارہ میں شائع ہو چکا ہے۔

دہلی کے شاعروں کے سلسلہ میں تاریخ اور عہد کا لحاظ نہیں رکھا گیا جیسا کہ پہلے بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ ابھی اساتذہ کا ذکر تک بھی نہیں آیا (اور معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جلد میں بطور دوسرے دور کے آئے گا) لیکن شاگردوں کا تذکرہ اور کلام کے نمونے اسی جلد میں شامل کر دئے گئے ہیں۔ اسکے علاوہ بعض ایسے ایسے معمولی شاعر بھی داخل کر لئے گئے ہیں جو نہ تو صاحب طرز تھے نہ ہی قابل تذکرہ (دیکھو صفحات ۳۸۳ تا ۴۱۲)

کلام کے نمونے منتخب کرنے میں بھی بعض شاعروں کی حد تک ناانصافی کی گئی ہے کم از کم انہی اصول کی پابندی کیجاتی جنھیں معزز اکیڈیمی نے اپنے تعارف میں بیان کیا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اُردو ادب میں مسلسل نظموں کی کمی پر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ اور ضرورت ہے کہ اس قسم کے انتخابات میں غزلوں کے نمونوں کے ساتھ شاعر کی مسلسل نظموں کے نمونے بھی شامل کر لئے جائیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے شاعروں نے محض غزل گوئی میں اپنی عزیز اوقات صرف نہیں کی۔

شاہ حاتم کی مثنویاں اور طویل نظمیں رسالہ ہندوستانی کی جلد ۲ حصہ ا میں اور مجلہ مکتبہ بابت جنوری و نومبر سنہ ۱۹۳۳ء میں شائع ہو چکی ہیں مگر افسوس ہے کہ مرتب نے صرف غزلوں و قطعوں ہی کے انتخابات پر اکتفا کیا حالانکہ اس عہد کے شاعروں میں حاتم ہی ایک ایسا استادِ سخن ہے جسکی طویل نظمیں موجود ہیں اور منظر عام پر آچکی ہیں اور چاہیے تھا کہ مرتب اس واقعہ سے فائدہ اٹھاتے۔

اسی طرح نصرتی کے کلام میں سے ایک اہم صنفِ سخن کے منتخبات درج نہیں کئے گئے۔ اسکے قصیدے نہایت اعلیٰ درجہ کے ہیں اور سودا کے بعد شاید ہی کوئی اردو شاعر اس صنفِ سخن میں اسکی ہمسری کر سکے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسکے نمونے شامل نہیں کئے گئے جسکی وجہ سے جواہرِ سخن کے ادبی معیار پر دھبّہ لگ جاتا ہے۔

(۸)

سب کے آخر میں ہم خود منتخبات کی غلطیوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور چونکہ مضمون کے طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے اسلئے کتاب کے چند ابتدائی صفحات ہی کی غلطیوں پر اکتفا کرینگے۔

متعدد اشعار ایسے ہیں جو اشعار معلوم ہی نہیں ہوتے۔ کیونکہ جگہ جگہ الفاظ چھوٹ گئے ہیں جنکی وجہ سے مطلب بھی خبط ہو گیا اور کسی بحر میں نہ آسکنے کی وجہ سے شاعر کی موزونیت طبع ہی پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ مثلاً:—

وجہی کے شعر نقل کئے ہیں:—

۱۔ بھوت دھات سوں بات سمجھائے کر — کہے شہ کوں نزدیک آئے کر (ص ۲۴)

۲۔ کہ اے شہ توں جم شاہ خرم ہو اچ — نہیں غم تجے توں بے غم ہو اچ (ص ۲۴)

۳۔ ہانتہ اپنا سار نے منج چیل چپل لا گیا مارنے — نا جاؤں سائیں کارنے بھی کیا کیا ہو کر (ص ۲۶)

پہلے کے دو شعروں کے مصرعہائے ثانی اور تیسرے شعر کے مصرعہ اول میں سے ایک ایک لفظ غائب کر دیا

گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں غلطیوں کی فہرست مندرج ہے لیکن اس میں بھی اسکی تصحیح نہیں کیگئی۔ یہ مصرعے اصل میں یوں ہیں اور اسی طرح اردو شہ پارے میں بھی مندرج ہیں:۔ کہے شہ کوں نزدیک یوں آئے کر۔

۲۔ نہیں غم تجھے کچھ توں بے غم ہوا اچ ۔ ۳۔ ہانہہ بڑھا اپنا سار نے میچ چل چل لاگیا مارنے

محمد قلی، سلطان محمد اور سلطان عبداللہ کے چند شعروں میں بھی ایسا ہی تصرف کیا گیا ہے چنانچہ بعض مصرعے درج ذیل ہیں:۔ ۱۔ ہر اک پھل اس انارن پر سہے سکتے من سارا (ص ۲۷)

۲۔ جے جا کئے کہہ ہے نمک سوں شکر (ص ۲۸) ۳۔ مندل ہو فلک ٹمایاں بجایا (ص ۳۰)

۴۔ باناں سو کروڑاں ہیں وے ٹیک رسن ہے (ص ۳۷) ۵۔ کہ جس نور ہے سرج ہے آشکار (ص ۴۱)

۶۔ راز کیا باناں نبی صدقے پو چھیے گا اگر (ص ۴۴)

مصرعجات نمبر ا میں انارن کی جگہ اناراں ۔ ۲۔ کہہ کی جگہ کہے۔ ۳۔ ٹمایاں کی جگہ ٹمٹمایاں ۴۔ وے کی جگہ ولے ۵۔ پانچواں مصرعہ یوں چاہیے۔ کہ جس نور تے ہے سورج آشکار ۶۔ اور چھٹے مصرع میں راز کیا کی جگہ راز کیاں باناں ہونا چاہیے۔

اسی قسم کے چند اور تصرفات یہ ہیں:۔

جواہر سخن میں	اصل میں	
۱۔ نکل پیٹ انگے ٹیک آجیوں گھڑا	نکل پیٹ انگے	غواصی
۲۔ تجھے دل میں چھپایا ہوں اپس کے	تجھے دل میں چھپایا ہوں	طبعی
۳۔ اومردا ہے پیرن ہے اصل کا کفن	.... پیرن ہے اس کا کفن	"
۴۔ جکوئی ہے باغباں اس پھول بن کا	جو کئی ہے	ابن نشاطی
۵۔ دساعت بہت سعد تھی ظاہرہ	وہ ساعت	فائز
۶۔ دیکھنا چھپانا پی تجہ ہات میں	دکھانا چھپانا پی (یعنے بھی)	نصرتی
۷۔ اچھے عقل مشکل کے جال کی کلید	.... مشکل کی جاں کی کلید	"

محل غلط نامہ

۸۔ سکت کسی ہیں ہے جو کرے سربسر ۔۔۔۔۔۔ سکت کس ہیں ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاشمی

۹۔ انبا ہاشمی تو مناجات کر ۔۔۔۔۔۔ انبا (یعنے انا) ۔۔۔۔۔۔۔۔ ”

۱۰۔ اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل ہیں کیا کہے گا ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا کہے گا وہ ”

۱۱۔ رضا گر مجھے گر دیتے ہیں کر و کچ گھر میں میرے ارد ۔۔۔۔۔۔ رضا گر مجھ کو دیتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ”

یہ چند مثالیں اُن غلطیوں میں سے تھیں جن کی وجہ سے اشعار کا وزن مجروح ہو گیا۔ اب ہم ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ مرتب نے صحیح لفظوں کی جگہ غلط لفظ درج کر دیے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشعار کا مطلب خبط ہو گیا گو اکثر جگہ وزن باقی رہا۔ مثلاً :-

۱۔ تو عاشق کون بن خواب بھی کچھ سنبھالے ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ کچھ نہ بھائے وجہی

۲۔ کہیا شاہ دل پنچ دھرنا بھلا ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ دل منج (یعنے دل ہی میں) ”

۳۔ کسے گوں کہ منج عشق اُس کا اہے ۔۔۔۔۔۔ کسے کوں (یعنے کہوں) ۔۔۔۔۔۔۔۔ ”

۴۔ سوراگاں یہ راگاں جاتے اتھے ۔۔۔۔۔۔ سوراگاں پہ راگاں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ”

۵۔ جب پیو چلیا سٹ سیج منج نت سو اٹھی رو کر ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ سٹ سیج منج نت رو تنہا اٹھی ”

۶۔ توں رکھیا غمزہ ناز سوں یک بار ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ غمزہ ناز سوں ۔۔۔۔۔۔۔۔ محمد قلی

۷۔ عشق نے منارے اوپر جیو دل سوں ۔۔۔۔۔۔ عشق کے منارے اوپر ۔۔۔۔۔۔۔۔ ”

۸۔ دو دیدے بھنر جیوں تخیر گار کے ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ جیوں بھنر گار کے۔ غواصی

۹۔ بو منی کھول جاری کی جیوں او کھلی ۔۔۔۔۔۔ بوٹی کھول ۔۔۔۔۔۔۔۔ ”

۱۰۔ مرے من کے صند وق ہیار رکھ تجن ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ رکھ جتن ”

۱۱۔ ریحایا ہوں ترے غم کے پہاڑ اں ۔۔۔۔۔۔ اُچایا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔۔ طبعی

۱۲۔ پنیا گا اس چمن میں تے توں میو ۔۔۔۔۔۔ نہ پاگا اس چمن میں تے توں میوہ ”

۱۳۔ توں اندا بنشہ پہ کام میں مجھوت کر ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ اندیشہ ہر کام میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ”

۱۴۔ ہمیشہ تجکوں ساجی کبریا جی .... کبریائی ابن نشاطی

۱۵۔ سو مکھ ہات دھونے نے فارغ ہو سب ...... دھونے تے (یعنے سے) .... نصرتی

اشعار کی اتنی غلطیاں صرف ابتدائی پینتالیس[۴۵] صفحات سے (یعنے ۲۰ سے ۶۵ تک) اخذ کیگئی ہیں اگر پوری ۵۱۴ صفحوں کی کتاب پر اسی طرح تفصیل سے نظر ڈالی جائے تو ممکن ہے ایک کتابچہ تیار ہو جائے انتخاب کا کام نہایت اہم ہے اور ارباب اکیڈیمی کو چاہیے کہ جواہر سخن کی باقی ماندہ جلدوں کی نظر ثانی نہایت احتیاط سے کرائیں تاکہ اس قسم کی غلطیاں اور خامیاں باقی نہ رہنے پائیں ورنہ اندیشہ ہے کہ جس قدر محنت، توجہ اور روپیہ اس کام میں صرف ہوگا اسکے قابل چیز تیار نہ ہوگی اور اردو زبان میں ایک مستند اور اعلیٰ پایہ کے مجموعہ منتخبات کی ضرورت پھر بھی باقی رہجائیگی ۔